شذرات

افادات علامہ عبیداللہ سندھی

سطعات

(۳)

اب رسول کو الحکمۃ اور الکتاب دونوں چیزوں کا جامع بنایا گیا ہے یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اس لیے وہ ساری دنیا کی امامت کریں گے۔ وہ جو الحکمۃ ہے وحدۃ الوجود کا نام ہے اور یہ وحدۃ الوجود کا جو تجربت ہوگا اور اس انسانی تجربت کا جو تجلی اعظم سے ربط ہوگا ۔ یہ ہوگی ابراہیمی طریقہ کی حکمت ۔ اس حکمت میں وحدۃ الوجود کا خاص مقام ہے ۔اس میں عقل انسانی کا تعلق تجلی اعظم سے قائم کیا جاتا ہے۔ یعنی تھیوری اور نظریہ وہی قائم رہے گا کہ وجود ایک ہے تمام اشیاء اس میں سے نکلتی ہیں اور اس کی طرف واپس جائیں گی اس وجود کا نام ہے (اللہ) اس وجود کو سمجھنا تجلی کے ذریعہ ممکن ہے تجلی کے ذریعہ کے بغیر سمجھنا نہ ممکن کیونکہ انسانی دماغ اس وجود واللہ کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے تجلی کو چھوڑ کر خدا کو سمجھنے کی کوشش کی وہ بہت سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگئے ۔ ابراہیمی طریقہ کی حکمت میں تجلی اعظم سے معرفت کا مسئلہ ابتدا ہی میں الف کے بے درجہ پر رکھا گیا ہے اور اس حکمت میں تجلی اعظم اور انسانی تجربت کے ملنے آپس کے باہمی تعلق کا مرکز ملأ اعلیٰ اور وہ جگہ جہاں ملأ اعلیٰ میں جمع ہوتے حظیرۃ القدس ہے یعنی حکمت کا کمال ہے ۔ یہ ہے کہ انسان حظیرۃ القدس کا رکن، ممبر بن جائے ۔ پس سارے کی ساری حکمت ان کی تعلیم میں آگئی ۔ پوچھا سمجھ گئے میں نے کہا ہاں جی سب کچھ (درالفوائد)

فرمایا اب ایک اور چیز بتاتے ہیں ، آخری مرتبہ اب ساڑھے دس بجنے والے ہیں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عید مسیح کے موقع حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ آخری مرتبہ کھانا

کھایا۔ مولانا نے تلاش کر کے یوحنا کی انجیل سے باب ۱۶ کی آیت نکال لی۔

"ہم جان گئے کہ تو سب کچھ جانتا ہے اور اس کا محتاج نہیں کہ کوئی تجھ سے پوچھے اس سبب سے ہم ایمان لاتے ہیں کہ تو خدا سے نکلا ہے، یسوع نے جواب دیا، کہا کہ تم اب ایمان لاتے ہو؟ دیکھو وہ گھبراہٹ آئی ہے۔ بلکہ آپہنچی ہے کہ تم سب پراگندہ ہو کر اپنے اپنے گھر کی راہ لوگے اور مجھے اکیلا چھوڑ دوگے۔ تو بھی میں اکیلا نہیں ہوں، کیونکہ باپ میرے ساتھ ہے"۔ پھر باب نمبر ۱۶ کی آیت پڑھی "میں نے تیرے نام کو ان آدمیوں پر ظاہر کیا جنھیں تو نے دنیا میں مجھے دیا وہ تیرے تھے اور تو نے انھیں مجھے دیا اور وہ آیت تیری ہی طرف سے ہے جو کلام تو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے انھیں پہنچا دیا اور انھوں نے اسے قبول کیا اور سچ سچ جان لیا کہ میں تیری طرف سے نکلا ہوں۔

اور وہ جو ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے"۔ پھر فرمایا اسی باب ۱۶ کی آیت ۱۶-۲۵ میں ہے "جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں، انھیں سچائی کے وسیلہ سے مقدس کر یہ تیرا کلام سچائی ہے جس طرح تو نے مجھے دنیا میں بھیجا، اسی طرح میں نے بھی انھیں دنیا میں بھیجا، اور ان کی خاطر میں اپنے آپ کو مقدس کرتا ہوں تاکہ وہ بھی سچائی کے وسیلہ سے مقدس کیے جائیں میں صرف انہیں کے لیے درخواست نہیں کرتا بلکہ ان کے لیے بھی جو ان کے کلام کے واسطے سے مجھ پر ایمان لائیں گے تاکہ وہ سب ایک ہوں۔ یعنی جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں، وہ بھی ہم میں ہوں اور دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا اور وہ جلال جو لوگوں نے مجھے دیا ہے میں نے انھیں دیا تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں۔ میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ قابل ہو کر ایک ہو جائیں اور دنیا جانے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا اور جس طرح کہ تو نے مجھ سے محبت رکھی ہے ان سے بھی محبت رکھ"۔

یہ جو جملہ ہے، کہ "تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں" یہ جر جبت اور تجلی اعظم کے تصور سے حل ہو سکتا ہے تجلی اعظم کبھی کسی کے جر جبت پر غلبہ کر لیتی ہے تو اسے تجلی میں فنا حاصل ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ خدا میں ہے معرفت الٰہی میں ترقی کا جو طریقہ مسیح علیہ السلام کو فطرۃً نصیب ہوا ہے وہ اس طریقہ پر اپنے حواریوں کو اور ان کے واسطے سے جو ان کی تعلیم

کو قبول کرے سب کو اس درجہ پر لانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ حکمت ہے جس کا نام انجیل رکھا جاتا ہے اور یہ پہلی حکمت کی روح ہے اور جو ابراہیمؑ سے پہلے رائج تھی۔ ہم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت اس لیے پڑھانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میں الکتاب اور الحکمۃ دونوں جمع ہیں اور یہ حکمت ولی اللّٰہی اس فلسفہ وحدت الوجود پر مبنی ہے۔ جس کو تمام آرین قومیں حکمت کی بنیاد مانتی ہیں۔ اب اگر ہم اس بنیاد سے کام شروع کریں تو ان اقوام کو بھی اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں اور ان کو تجلی کی دعوت دے کر حظیرۃ القدس سے تعلق پیدا کرانے کے بعد الکتاب کا علم بھی دے سکیں گے۔

پھر مختصر لفظوں میں ہم یوں کہتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے فلسفہ کو اس شکل میں لانا کہ تجلی اعظم اور حظیرۃ القدس کے مرکز کو سمجھ سکے اور اپنے جدوجہد کے ذریعہ سے وہاں حظیرۃ القدس پہنچنے کا امکان تسلیم کرلے۔ یہی وہ حکمت ہے جس کی مسیح نے بنیاد ڈالی یہی اس کی اصل آرین تہذیب ہے مگر ہم اس اسے مسیح سے لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابراہیمی طریقہ کے چند اوالوالعزم انبیاء علیہم السلام کو جمع کرنے سے جن میں موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ شامل ہو جاتے ہیں، ہمارا پروگرام انسانیت کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور ہم کسی بیرونی حکیم یا فلاسفر کا محتاج ہو کر نہیں رہتے، ہمارے لیے اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آج کل کا اکانومیکل اقتصادی پروگرام جو یورپ پر حاکم ہے ہم اسے شاہ صاحب سے لیتے ہیں۔ اور ہمیں اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ نے کہاں سے لیا ہے اتنا یقیناً جانتے ہیں کہ یورپ سے نہیں لیا ہم نے جو تعلیم ان سے حاصل کی ہے۔ وہ ساری دینی ہے تو یہ اکانومیکل پروگرام بھی ہمارے دین کا جزو ہوگی، اسی طرح جب ہم انجیل کے مصدق ہیں تو اس خاص فلاسفی کو قبول کرنا ہمارے لیے لازم ہوگا۔ انجیل کہاں سے لیتی ہے اس سے بحث کی ضرورت نہیں۔